مطبوعات

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اوّل اور دوم | تالیف مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی ناشر: دارالمصنفین اعظم گڑھ (بھارت) صفحات حصہ اول ۱/۲ ۳۴ قیمت -/۶ روپے، حصہ دوم ۳۸۹ قیمت ۸/۶ روپے۔

اس بیش قیمت تصنیف کے مصنف مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کی شخصیت کسی طرح بھی محتاج تعارف نہیں۔ ان کی علمی اور دعوتی سرگرمیوں سے نہ صرف پوری دنیائے اسلام آشنا ہے بلکہ ان کی معترف بھی ہے۔ وہ ایک جید عالم اور عربی اور اردو کے بہترین انشا پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ بصیرتِ مومن اور دلِ بیتاب بھی رکھتے ہیں۔ ان کی تصنیفات جہاں معلومات کے اعتبار سے ملبند اور وقیع ہیں، وہاں مسلمانوں کے اندر پھیلے ہوئے بہت سے فتنوں کی بھی بیخ کنی کرتی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ان حقائق کی پوری طرح آئینہ دار ہے۔ اس میں اگر ایک طرف عالم اسلام کی اصلاحی و تجدیدی کوششوں کا تاریخی جائزہ، نامور مصلحین اور ممتاز اصحاب دعوت و عزیمت کا مفصل تعارف اُن کے علمی و عملی کارناموں کی روداد اور اُن کے اثرات و نتائج کا تذکرہ ہے تو دوسری طرف اس میں ان بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہے جو مسلمانوں میں تاریخِ اسلام اور فلسفۂ تاریخِ اسلام کے بارے میں بالعموم پائی جاتی ہیں۔

مغرب کے فکری اور علمی اثرات نے ہمارے اندر جس قسم کا تاریخی ذوق پیدا کیا ہے وہ بڑا غلط اور دینی نقطۂ نظر سے بالکل بیکار ہے۔ ایک مسلمان جب اپنی تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جلیل القدر رفقائے کار کے بعد امتِ مسلمہ کی پوری تاریخ محض ایک خلا یا لق و دق صحرا ہے جس میں کہیں ایک دوسرے سے بہت دُور انسانی عظمت کے کچھ نشانات پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب نے اس غلط تاثر کو جو "دانائے فرنگ" نے بعض مخصوص مقاصد کے پیشِ نظر مسلمانوں کے ذہنوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، کافی حد تک دُور کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ایک مسلسل فکری اور اصلاحی تاریخ ہے جس کا ہر حلقہ دوسرے سے وابستہ ہے۔ اس میں کوئی خلا نہیں۔ اس امت پر کوئی دور بھی ایسا نہیں گزرا جس میں اسلام کی حفاظت یا

تجدید و تقویت کی خدمت انجام نہ دی گئی ہو، جس میں غلط رجحانات کی اصلاح اور فتنوں کا سدِباب نہ کیا گیا ہو اور اسلام کے فکری اور عملی ذخیرہ میں کوئی قابلِ قدر اضافہ نہ ہوا ہو۔ اس تالیف سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اصل خلا اسلام کے سلسلۂ دعوت و اصلاح میں نہیں بلکہ تاریخِ اسلام کی ترتیب میں ہے۔

ایک مسلمان جس تاریخ سے عام طور پر واقف ہے اُس کا انداز بڑا ہی عجیب و غریب ہے۔ سب سے پہلے سرورِ دو عالم اور اُن کے عظیم المرتبت ساتھیوں کی زندگیاں اور ان کے کارنامے پیش کیے جاتے ہیں۔ اس دور کے بارے میں مسلمانوں کے ذہن میں کوئی زیادہ اُلجھن پیدا نہیں ہوتی۔ یہ مقتدر ہستیاں اُمّتِ مسلمہ کی ایک بہت بڑی اکثریت کی نظر میں ایسی ہیں جن کی عظمت کے نہ صرف مسلمانوں کے دماغ قائل ہیں، بلکہ جن کی محبت سے اُن کے دل بھی معمور ہیں۔ مگر ان بزرگ و برتر شخصیتوں کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہماری تاریخ کا محور و مرکز وہ حضرات بنتے ہیں جو یا تو بادشاہ تھے یا بادشاہ گر۔ ان حضرات میں بہت تھوڑی تعداد کو چھوڑ کر ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کی شمشیر زنی، وجاہت، قوت و اختیار کو تو بلاشبہ ایک دنیا مانتی اور تسلیم کرتی ہے مگر مسلمانوں کے دلوں میں اُن کا وہ عزت و احترام نہیں جو ایک قوم کے دل میں اسلاف کا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان مستقل افکار کا حامل ہے، اُس کا ایک مخصوص اسلوبِ حیات ہے، اس کا ایک الگ نصب العین ہے۔ وہ زندگی کے سارے واقعات و حوادث کو، وہ اس دنیا کی چھوٹی بڑی ، تمام شخصیتوں کو، وہ اپنے ماضی، حال اور مستقبل کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس بنا پر اُس کے لیے یہ چیز قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ کوئی شخص بوریا نشین ہے یا بادشاہ۔ اُس کی محبت اور عقیدت کا معیار صرف ایک ہے ـــ کوئی شخص کس حد تک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع اور فرمانبردار ہے۔ اور جو شخص بھی جس نسبت سے اس معیار پر پورا اترتا ہو۔ اُس کی دنیاوی حیثیت خواہ کچھ ہی ہو ـــ وہ اس کے نزدیک اسی تناسب سے محبت اور احترام کے لائق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے بادشاہوں کی بجائے "فقیروں" سے محبت کی ہے۔ دربار و ایوان میں رہنے والوں کی بجائے اُن لوگوں کا احترام کیا ہے جو جھونپڑوں اور خانقاہوں میں رہتے تھے۔ اس کتاب

کو پڑھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مسلمانوں کے لیے یہ چیز سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی کہ کسی شخص کا دنیاوی مرتبہ اور مقام کیا ہے۔ اُس کے لیے ایک ہی ترازو ہے اور ایک ہی پیمانہ، اور وہ ہے اسلام۔ اور اسی کے مطابق وہ ہر شخص کو تولتا اور اس کے اعمال کو جانچتا ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ ایک دوسرے نقطۂ نظر سے بھی نہایت مفید اور کارآمد ہے۔ اسے دیکھنے کے لیے ہمیں آسانی سے پتہ چل سکتا ہے کہ مختلف ادوار میں مختلف مصلحین نے حالات و واقعات کے پیش نظر اسلام کی مدافعت اور ترقی کے لیے جو طریقے اختیار کیے وہ کہاں تک مفید اور کارآمد ثابت ہوئے۔ ان سے ہم بہت کچھ سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

تبصرہ نگار کا ہمیشہ سے ہی یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کو از سرِ نو مرتب کرنا چاہیے اور خالص اسلامی نقطۂ نظر سے افراد اور واقعات کا جائزہ لینا چاہیے۔ مقامِ شکر ہے کہ مولانا ابوالحسن صاحب نے اس طرف ایک ایسا عملی قدم اٹھایا ہے جو نہ صرف نہایت مفید ہے بلکہ مستقبل میں کام کرنے والوں کے لیے ایک نشانِ راہ یا سنگِ میل کا کام دے سکتا ہے۔ تبصرہ نگار جب اس کتاب کو ختم کر چکا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ ایک بہت بڑے آفتاب نے چند شمعیں فروزاں کیں جو اپنی تابناکی میں بے مثال تھیں۔ ان شمعوں سے پھر دوسرے چراغ روشن ہوئے اور یہ چراغ انسانیت کی لمبی شاہراہ پر آج تک جگمگا رہے ہیں، ان چراغوں کے گو مختلف رنگ ہیں مگر ان سب نے ایک ہی آفتاب سے نور حاصل کیا ہے۔ ان کی ضیا پاشیاں بڑی خاموشی سے اس بات کا اعلان کر رہی ہیں ؎

یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

کتاب کی پہلی جلد میں پہلی صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک کی روداد اصلاح و دعوت درج ہے۔ شخصیتوں کے اعتبار سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز سے لے کر مولانا جلال الدین رومی تک اصحابِ دعوت و عزیمت کا تعارف اور اُن کے مصلحانہ و اولوالعزمانہ کارناموں کی تفصیل آگئی ہے۔ دوسری جلد میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی سوانح حیات اور اُن کے تلامذہ اور اُن کے دبستانِ فکر کے

فضلا کا تذکرہ ہے۔ خدا کرے کہ مولانا اس سلسلہ کی باقی جلدیں لکھ کر اس مفید کام کی جلد از جلد تکمیل کریں۔ آخر میں اشاریہ (INDEX) اسماء و کتب بہ ترتیب حروفِ تہجی نے اس کتاب کو بہت زیادہ مفید بنا دیا ہے۔ (ع - ح)

رگِ جاں از عاصی کرنالی۔ ناشر: مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور۔ عاصی کرنالی کی نظموں اور غزلوں کا یہ مجموعہ مولانا عبد المجید سالک صاحب کے تعارف اور جناب ماہر القادری صاحب کے پیش لفظ کے ساتھ مکتبہ تعمیر انسانیت نے شائع کیا ہے۔ عاصی صاحب ہمارے حلقۂ ادب کے اُن چند شعرا میں سے ہیں جو گذشتہ دس بارہ سال سے نئی نسلوں کے لیے پاکیزہ شعری و ادبی فضا تیار کرنے میں پیش پیش ہیں اور جن کے کلام میں مقصدیت کے ساتھ شعریت اور پختگی بھی کافی حد تک پائی جاتی ہے۔

اس مجموعہ میں کئی نظمیں شعری حسن اور پاکیزہ احساسات و جذبات کے اچھے نمونے ہیں۔ تبصرہ نگار کا عام تاثر یہ ہے کہ چھوٹی نظمیں کامیاب ہیں لیکن طویل نظموں میں جا بجا فکری لغزشیں پائی جاتی ہیں۔ سب سے طویل نظم "لال قلعہ" لیجیے جو پورے سات صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ مسلمانوں کے فنِ تعمیر کے جو نمونے اس وقت موجود ہیں اُن میں بعض "شمشیر و سناں" کے دور سے وابستہ ہیں اور بیشتر "طاؤس و رباب" کے زمانہ کی یادگار ہیں۔ اس صدی کے اوائل تک ہم ان آثارِ قدیمہ کو ملی جذبہ (یا صحیح الفاظ میں جذبہ اسلاف پرستی) کے تحت یکساں عقیدت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ لیکن جوں جوں اسلامی اقدار کا شعور پیدا ہوتا گیا ہمارا زاویۂ نظر بھی بدلتا رہا۔ تعجب ہے کہ عاصی صاحب کی اس نظم میں اور آج سے نصف صدی پہلے کی اسی قبیل کی نظموں (مثلاً اسمٰعیل میرٹھی کی مشہور نظم قلعہ اکبر آباد) میں بلحاظ نقطۂ نظر کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح کی فکری بے اعتدالی اور عدمِ مناسبت کی مثال ہمیں "ترمیم"، "سوداگر" وغیرہ میں ملتی ہے۔

زیرِ تبصرہ مجموعہ میں دورِ اول کی غزلیں جو زہر و تریاق کے عنوان سے مرتب کی گئی ہیں، شعریت، تغزل، روانی اور ترنم کے اعتبار سے دورِ ثانی کی غزلوں سے زیادہ جاندار ہیں۔ ان میں مجاز کی رنگینیوں کے باوجود جذبات کی پاکیزگی اور تخیل کی لطافت و نفاست جلوہ گر ہے۔ کتاب کا معیارِ طباعت عمدہ ہے۔

(ا۔ ا۔ ص)

للکار نتیجۂ فکر یعقوب طاہر صاحب۔ قیمت ۸/۱، صفحات ۴۴ ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، اچھرہ لاہور۔

اسلام پسند شعراء میں یعقوب صاحب کافی معروف ہیں۔ اور ان کے کلام کو کافی حد تک پسند کیا جاتا ہے۔ یعقوب صاحب کی شاعری مقصدی شاعری ہے اس لیے چند حدود و شرائط کی پابند ہے۔ اس پابندی کی وجہ سے ان کے کلام میں سنجیدگی اور وزن پیدا ہو گیا ہے۔ وہ چونکہ راہ حق کے ایک فرض شناس سپاہی ہیں اس لیے اکثر و بیشتر ان کے کلام میں رجز کی سی کیفیت پائی جاتی ہے۔ وہ حساس دل رکھتے ہیں اس لیے معاشرے کی ذراسی خرابی اور بے راہ روی سے تلملا اٹھتے ہیں اور اس تلملاہٹ کا اظہار پورے خلوص کے ساتھ اشعار میں کر دیتے ہیں، اسی وجہ سے تفکّر کا ٹھہراؤ آپ کے کلام میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ غالباً جذبات کی شدت میں کمی ہوگی تو حکمت کا اثر ذہن میں کار فرما ہو جائے گا اور پھر حکمت، و جذبات کے امتزاج سے ایک زیادہ متوازن اور فن کلام پیدا ہوگا جس میں انسانی زندگی کے حقائق کا اظہار اور جذباتی رنگینی کا رچاؤ اپنی اپنی مناسبت سے جلوہ گر ہو جائیں گے۔

شروع میں یعقوب صاحب صرف نظم لکھتے تھے لیکن اب دو ایک سال سے غزل کا تجربہ کر رہے ہیں اور شاید اس تجربے میں انھیں نظم سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ غزل کی ایمائیت۔ داخلیت اور جذباتی رچاؤ کے عناصر سے اپنی چند غزلوں میں کام لینے کی کوشش کی ہے جو خاصی کامیاب معلوم ہوتی ہے۔ غرضیکہ فنی ارتقا کے لیے ابھی یعقوب صاحب کو بہت کچھ کرنا ہے۔ زبان کی لطافت اور استادانہ قدرت کی منزل تک پہنچنے کے لیے بھی کئی منزلوں سے گزرنا پڑے گا۔ کتاب کی طباعت اور کتابت ناقص ہے۔

(ا۔ ر۔ س)

ماہنامہ ہماری دنیا زیر ادارت طاہر رسول صاحب، محبوب ربانی صاحب اور عزیز الرحمٰن صاحب۔ قیمت فی پرچہ چھ آنے۔

والدین کو جہاں ننھے بچوں کی جسمانی نشوونما کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، وہاں اُن کی ذہنی تربیت بھی انتہائی ضروری ہے۔ اس عہد میں احساسات کے جو بیج قلوب میں ڈال دیئے جاتے ہیں وہ وقت کے

گزرنے کے ساتھ ساتھ سیرت و اخلاق کے سایہ دار درختوں کی شکل میں بر ومند ہوتے ہیں۔ اس لیے نفسیات کے ماہرین نے اس عہد کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ لیکن یہ کام بہت کٹھن اور مشکل ہے۔ اس عہد کے لیے کوئی مفید اور اچھا لٹریچر پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ زیر نظر رسالہ اسی قسم کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات، معلومات عامہ کو اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ بچوں کے ذہنوں میں کوئی خلا پیدا نہ ہونے پائے۔ وہ دین و دنیا کو حیاتِ انسانی کے دو علیحدہ علیحدہ کارخانے نہ سمجھیں بلکہ اُسے ایک وحدت کی حیثیت سے دیکھیں۔ ہم اس کتابچہ کے پڑھنے کی بچوں سے سفارش کرتے ہیں۔

(بقیہ اشارات)

نظر آتا ہو۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ ماضی میں بے شمار بندگانِ خدا ایسے گزرے ہیں جو دنیا داری اور مادیت کے پھیل جانے کے بعد دینی رجحان اور خدا طلبی کا مرکز تھے۔ اُن کی حیثیت بحرِ ظلمات میں روشنی کے مینار کی سی تھی جہاں لوگ پروانہ وار گرتے اور نورِ ہدایت حاصل کرتے۔ مگر اس کا کیا علاج کیا جائے کہ آج کل حکومت اپنی لامحدود قوت و طاقت سے شر اور فساد کی جو خطرناک آندھیاں چلاتی ہے، اور گمراہی اور ضلالت کی جو تند و تیز موجیں خدا ناشناسی اور جاہلیت کے سمندروں سے اٹھائی جاتی ہیں وہ اول تو ان میناروں کو ہی مسمار کر دیتی ہیں، اور اگر وہ باقی رہ بھی جائیں تو یہ چند منفرد لائٹ ہاؤس کسی طرح بھی اتنی روشنی نہیں پھینک سکتے جو جدید زمانے کی حکومت کے اٹھائے ہوئے ہمہ گیر طوفانِ ظلمت کا مقابلہ کر سکے۔ اس پر مزید یہ کہ کفر و فسق کی حکومت جہاں بھی کام کر رہی ہے وہاں اس طرح کے انفرادی میناروں کی پیدائش اور ان کے اُبھرنے کے امکانات وہ روز بروز بڑی تیزی کے ساتھ ختم کرتی چلی جا رہی ہے۔